٢٦٩

نظامِ زکوٰۃ اور موجودہ معاشی مسائل

موجودہ معاشی غلامی اور اس کا حل ○

⊙ محمد یوسف گورایہ

زکوٰۃ کے ایک بڑے مصرف "دفی الرقاب" (غلامی سے آزادی دلانے) کے سلسلے میں قرآنی تعلیمات اور اسلامی تاریخ کی روشنی میں ہم ان اسباب و محرکات کا تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں[1] جن کے ذریعے 'دفی الرقاب' کا قرآنی پروگرام 'قرونِ اولیٰ' میں کامیاب ہوا۔ اب ہم اپنے موجودہ معاشی و معاشرتی حالات کا تجزیہ کر کے یہ بیان کریں گے کہ ہمارے اس دور میں 'دفی الرقاب' کی وسعتیں کہاں تک پہنچ سکتی ہیں۔

آج وہ مجبور و محکوم بدقسمت انسان جنہیں حقِ خود اختیاری حاصل نہ ہو، جن کی گردنیں دوسروں کے ہاتھ میں ہوں۔ جو معاشی طور پر دوسروں کے غلام ہوں۔ اور جنہیں اپنی جان و مال اور عزت و آبرو پر اختیار نہ ہو 'دفی الرقاب' میں آجائیں گے۔ غلامی خواہ ساتویں صدی عیسوی کی ہو یا آج کی، دونوں میں اصولاً کوئی فرق نہیں، اگر ساتویں صدی میں رائج غلامی کا انسداد اس وقت کی اسلامی حکومت کا فرض تھا تو آج کی اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ موجودہ غلامی کے ماروں کو آزاد کرائے۔

ہمارے اس معاشی جائزہ کے مطابق کسانوں، مزدوروں اور کسی حد تک کرایہ داروں میں غلامی پائی جاتی ہے۔ اور ان تینوں طبقوں میں کسان سب سے زیادہ مظلوم و مجبور ہے۔ مزدور اور کرایہ دار کی حیثیت بڑی حد تک اس وقت کے مکاتب سے ملتی جلتی ہے۔ لیکن کسان کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ ظلم و استبداد اور غلامی کے جتنے پھندے کسان کی گردن میں پڑے ہیں مزدور ان میں سے بیشتر سے آزاد ہے۔ لیکن چونکہ مزدور ان ذرائع کے قریب ہے جو مظلوموں کی آواز سن کر ان کی مدد کرتے ہیں، اس لئے وہ عوام کی توجہ کا مرکز بن گیا ہے۔ لہٰذا آج "دفی الرقاب" کے تحت آزاد کرانے کی ابتداء کسان سے کی جائے۔ اور یہ اس لئے کہ مزدور دراصل دیہات کی پیداوار ہے اگر کسان کی غلامی کا مسئلہ حل ہو جائے تو دیہات سے آنے والا کسان جو شہر میں مزدور بن جاتا ہے شہری سرمایہ دار سے معاملہ طے کرنے میں آسانی محسوس کرے گا۔

---

[1] دیکھئے فکر و نظر بابت ماہ جون، جولائی، اگست اور اکتوبر ۱۹۶۹ء

دیہات میں عزت و ذلت کا معیار ملکیت زمین ہے جس دیہاتی کی جتنی زیادہ ذاتی ملکیت زمین کی شکل میں ہو گی اسی لحاظ سے وہ عزت و شرف میں زیادہ ہو گا۔ اور جیسے جیسے ملکیتی زمین کی مقدار گھٹتی جائے گی، اس کی ذلت و مسکنت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا حتیٰ کہ دیہاتی کے "ملکیتی طبقے" سے نکل کر "غیر ملکیتی طبقہ" میں داخل ہونے پر ذلت انتہا کو پہنچ جاتی ہے، پھر "غیر ملکیتی طبقے" میں بھی ذلت و غلامی کے مختلف مدارج ہیں، وہ دیہاتی جو "ملکیتی طبقے" کی پیداوار و دولت میں اضافے کی بجائے اس کی جسمانی آسائش و آرام کے کام آئے۔ دیہاتی اصطلاح میں اُسے "کمیں" (کانڈے) کا نام دیا جاتا ہے، ذلت کے درجہ دوم میں وہ "غیر ملکیتی طبقہ" ہے جو محنت و مشقت اور کھیتی باڑی کے ذریعہ "ملکیتی طبقہ" کی پیداوار و آمدنی میں اضافہ کرتا ہے۔ ایک تیسرا طبقہ جو بنیادی طور پر "ملکیتی طبقہ" میں شمار ہوتا ہے، اس کے پاس گو چند بیگھے زمین ذاتی ملکیت ہوتی ہے جو اُن کی گزر بسر کے لئے ناکافی ہونے کی وجہ سے انہیں دیہات کے "اعلیٰ ملکیتی طبقہ" کا محتاج بنائے رکھتی ہے۔ اور جس تناسب سے یہ لوگ خود کو زندہ رکھنے کے لئے "اعلیٰ ملکیتی طبقہ" کے محتاج ہوتے ہیں۔ اسی تناسب سے ان میں ذلت کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ دیہاتی نظامِ زندگی کا چوتھا طبقہ "اعلیٰ ملکیتی طبقہ" ہے، جس کے پاس اتنی وافر زمین ذاتی ملکیت میں ہوتی ہے جو اُسے نہ صرف محنت و مشقت سے بے نیاز کر دیتی ہے بلکہ نچلے تینوں طبقات پر حکمران بھی بنا دیتی ہے۔

قدیم برہمنیت کے اُصول پر ہم اپنے ملک کی دیہاتی اور شہری آبادی کو مثالاً ان طبقات میں بیان کر سکتے ہیں:

طبقات			نتیجہ
قدیم برہمنی طبقات	موجودہ دیہاتی طبقات	موجودہ شہری طبقات	ملکیت و سرمائے سے قرب
برہمن	اعلیٰ ملکیتی طبقہ	اعلیٰ سرمایہ دار طبقہ	معزز ترین
کشتری	ادنیٰ ملکیتی طبقہ	ادنیٰ سرمایہ دار طبقہ	ذلیل
ویش	کاشتکار غیر ملکیتی طبقہ	دفتری غیر سرمایہ دار طبقہ	ذلیل تر
شودر	غیر کاشتکار غیر ملکیتی طبقہ	مزدور غیر سرمایہ دار طبقہ	ذلیل ترین

اس معاشرتی تجزیئے سے ثابت ہُوا کہ ہمارے ہاں عزت و ذلت کا معیار قرآن حکیم کا مقرر کیا ہُوا معیار "تقویٰ یا ایمان و عمل صالح" نہیں بلکہ ملکیت زمین اور ملکیت سرمایہ ہے۔ ہمارے ملک کی ۹۰ فی صد آبادی

آج بھی زمان و مکان کی قیود سے بے نیاز ہو کر زمانہ قبل از تاریخ کی طرح ایک بھیانک غار میں رہتی چلی آ رہی ہے، اس کی جو حالت چندر گپت موریہ کے زمانہ میں تھی، وہی اشوک کے زمانے میں رہی۔ وہ جس حال میں محمدؐ بن قاسمؒ کے زمانے میں تھے اسی حال میں محمود غزنوی، محمد غوری، خاندانِ غلامان اور خاندانِ مغلیہ میں تھے، ان کی جو کیفیت برطانوی راج میں تھی تقریباً وہی حالت پاکستان بننے کے تئیس برس تک موجود ہے۔ انسانوں کی یہ کثیر آبادی علم و فضل اور عقل و شعور سے جس طرح صدیوں پہلے عاری تھی اسی طرح آج بھی عاری ہے۔

برہمنیت کی انسانیت سوز تقسیم نے ان کروڑہا انسانوں کو ماضی میں بدھ مت کی طرف مائل ہونے پر مجبور کیا تھا لیکن جب بدھ مت وغیرہ ان کے دکھ کا مداوا نہ کر سکے تو انہوں نے اُفقِ ہند پر طلوع ہونے والے نئے دین کو لبیک کہا اور کروڑہا انسان حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اور اگر اس وقت "اہلِ مذہب" نے اس دُکھی انسانیت کو اسی طرح مبتلائے آلام و مصائب رکھا اور ان کے معاشی مسائل کو حل نہ کیا تو یقین جانئے جس طرح جین مت و برہمنیت انھیں بدھ مت قبول کرنے سے باز نہ رکھ سکے، اسی طرح شاید "اہلِ مذہب" انھیں کوئی "نیا طریقِ زندگی" اپنانے سے باز نہ رکھ سکیں گے۔ آج سے سینکڑوں سال قبل اس انبوہِ کثیر نے ہندو مت سے اس لئے توبہ کی تھی کہ شودر کو برہمن کے حلقہ میں داخلے کی اجازت نہ تھی۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ سینکڑوں سال مسلمان کہلوانے کے باوجود "کاشتکار غیر ملکیتی طبقہ"، "غیر کاشت کار غیر ملکیتی طبقہ"، "دفتری غیر سرمایہ دار طبقہ" اور "مزدور غیر سرمایہ دار طبقہ" کو اب تک "اعلیٰ ملکیتی طبقہ" اور "اعلیٰ سرمایہ دار طبقہ" کے حلقہ میں داخلے کی اجازت نہیں۔

"اعلیٰ ملکیتی طبقہ" صدہا سال سے مسلمان کہلوانے کے باوجود یہ برداشت نہیں کرتا کہ اس سے نچلے طبقات اس کے برابر بیٹھ سکیں اور سیاسی و جمہوری انتخابات و مجالس میں اپنا حق خود اختیاری استعمال کر سکیں، سیاسی شعور اور جمہوریت کا زبردست ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے لیکن "اہل مذہب" اور "اہلِ سیاست" نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ معاشی غلامی کے آہنی پھندوں میں پھنسے ہوئے کروڑہا انسانوں کو حق خود اختیاری حاصل ہے بھی یا نہیں اور اگر موجودہ نظامِ معیشت قائم رہے تو آئندہ سو سال تک موجودہ چند دیہاتی اور شہری خانوادوں کے علاوہ ان کروڑہا غلاموں میں سے کوئی انتخابات لڑنے کا خواب بھی دیکھ سکتا ہے یا نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگر موجودہ نظامِ معیشت قائم رہا تو نظامِ حکومت صدارتی ہو یا پارلیمانی، بنیادی جمہوریت

ہو یا جمہوریت یہی چند لوگ جو قیام پاکستان سے مختلف گروپ میں نظر آرہے ہیں، مسلسل نظر آتے رہیں گے۔ اور ان کے بعد ان کی اولاد، لیکن ایسا کبھی نہیں ہو سکے گا کہ کاشت کار غیر ملکیتی طبقہ" یا مزدور اور غیر سرمایہ دار طبقے سے کوئی فرد اپنی تمام ذہنی اور اخلاقی صلاحیتوں کے باوجود انتخابات لڑے اور ملک کے معاشی مسائل حل کرے۔

ڈاکٹر محبوب الحق صاحب کی تحقیق کے مطابق پاکستان کی ۸۰ فی صد آمدنی میں سے چالیس فیصد سرمائے پر بیس خاندانوں (ہفت روزہ نصرت شمارہ ۴ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۶۹ء) اور اے آر شبلی کی تحقیق کے مطابق تیس خاندانوں (روزنامہ امروز، اگست ۱۹۶۹ء لاہور) کا قبضہ ہے اور چالیس فیصد سرمایہ زرعی پیداوار سے حاصل ہوتا ہے کیا ہی اچھا ہو کہ ان بزرگوں کی "سنتِ حسنہ" پر عمل کرتے ہوئے کوئی صاحب اس چالیس فی صد زرعی سرمایہ پر بھی تحقیق کر کے اس کے صحیح اعداد و شمار منظر عام پر لاسکیں غالباً بقیہ چالیس فی صد سرمائے پر قابض جاگیرداروں کی تعداد اس تعداد سے زیادہ نہیں ہو گی جو غیر زرعی چالیس فی صد سرمائے پر قابض ہے۔

ان حالات میں مظلوم طبقہ اوّل تو اپنے آقاؤں کے ظلم و استحصال کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت ہی نہیں کر سکتا اور اگر ہمت بھی کر بیٹھے تو عدل و انصاف کے دروازے تک پہنچتے ہیں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ نہ صرف اس کی کمر توڑ دیتی ہیں بلکہ دوسروں کے لئے عبرت کا باعث بھی بنتی ہیں۔ صدیوں کی معاشی غلامی نے ان کی عزت و عظمت اور شعورِ انسانیت کو تباہ کر دیا ہے۔ وہ صرف زندہ رہنے کے لئے اپنی عزت و آبرو اور جان و مال کو اعلیٰ ملکیتی اور اعلیٰ سرمایہ دار طبقے کی حیوانی خواہشات پر بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔ اس صورت حال سے مجبور ہو کر قوم کی اکثریت جرائم پیشہ یا بے غیرت و بے حمیت اور کم ہمت حیوانوں میں تبدیل ہو گئی ہے۔

جاگیردار اور سرمایہ دار طبقہ ان معاشی غلاموں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک کو دوسرے کے خلاف استعمال کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ انہی وجوہ کی بنا پر جب ایک دیہاتی دوسرے کو قتل کرتا ہے تو موقع پر موجود دوسرے دیہاتی مقتول کے مدعی کے لئے گواہی دینے کی ہمت تک نہیں کرتے اور اگر کوئی دیہاتی جرأت کر ڈالے تو قاتل یا اس کے پشت پناہ خود گواہ کو قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں اور اس طرح قاتل چند دن پولیس کے پاس رہ کر عدم شہادت کی وجہ سے عدالتوں سے رہا ہو کر دوبارہ مدعیوں کے سر پر دندنانے

لگتا ہے اور اگر کوئی گواہ دھمکی سے مرعوب نہیں ہوتا تو اُسے مادی لالچ دے کر خرید لیا جاتا ہے، چنانچہ ترغیب و ترہیب میں سے جو صورت بھی کارگر ثابت ہو اس سے کام لے کر گواہ کو گواہی دینے سے روک لیا جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا غلاموں کے اس ہجوم سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر" کا مصداق بن سکے، اور "ولا یاب الشہداء اذا ما دعوا - ۲ : ۲۸۲ (گواہ جب بلائے جائیں تو وہ گواہی دینے سے انکار نہ کریں) اور ولا تکتموا الشہادۃ ۲ : ۲۸۳ (اور گواہی نہ چھپاؤ) اور کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علی انفسکم - ۴ : ۱۳۵ (تم انصاف قائم کرنے والے، اللہ کے لئے صحیح گواہی دینے والے بنو خواہ اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو) کے قرآنی اصُولوں پر عمل کر سکے، جو قوم اپنی جان و مال اور عزت و آبرو تک کی حفاظت سے عاری ہو اور اخلاقی طور پر آبرو باختہ، بُزدل اور ناکارہ ہو، وہ کیسے قرآن کے ان اعلیٰ اصولوں پر عمل کرنے کی ہمت کر سکتی ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ دیہات کا "اعلیٰ ملکیتی طبقہ" دیہاتی معاشی غلام سے اس کی طاقت سے زیادہ کام لے کر اپنی پیداوار اور ذرائع پیداوار میں آخری حد تک اضافہ کر لینے اور اس کے خون کا آخری قطرہ نچوڑنے کے بعد معاشی غلام کے جسمانی ڈھانچے کا سودا شہری اعلیٰ سرمایہ دار طبقے سے کرتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب شہری اعلیٰ سرمایہ دار طبقہ اپنی مرضی و منشا کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے تاکہ اس حکومت کے قائم کئے ہوئے نظم و نسق کے تحت اپنی پیداوار اور ذرائع پیداوار میں اضافہ کرے تو وہ اپنی مرضی اور اپنی پسند کے سیاسی لیڈر بطور ایجنٹ دیہاتی اعلیٰ ملکیتی طبقے کے پاس بھیجتا ہے تاکہ وہ ان کے ماتحت معاشی غلاموں کا سودا کریں۔ اور ان کے ووٹوں کے عوض اعلیٰ سرمایہ دار طبقے کے ایجنٹ سیاستدان برسرِ اقتدار آنے کی شرط پر اعلیٰ ملکیتی طبقے کو ایک طرف تو روٹ پرمٹ، لائسنس اور سرکاری لگان کی معافی وغیرہ کی صورت میں مراعات عطا کریں، اور دوسری طرف چوری، ڈاکے، زنا، اغوا، شراب نوشی، قتل و غارت وغیرہ جرائم میں ان کی پشت پناہی کریں۔ اس طرح شہری اعلیٰ سرمایہ دار طبقہ، دیہاتی اعلیٰ ملکیتی طبقہ کے ساتھ دیہاتی اور شہری معاشی غلاموں پر ظلم و استبداد میں براہِ راست شریک ہو جاتا ہے۔

اور اس گٹھ جوڑ اور "تعاون علی الاثم" کے ذریعہ سے جو حکومت برسرِ اقتدار آتی ہے وہ اپنے ووٹر (معاشی غلاموں) کے حقوق پائمال کرتی اور ان کی بیداری کی ہر تحریک کو دبا دیتی ہے۔

یہ سودے بازی صرف ملکی سطح کے کاروبار پر ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اعلیٰ سرمایہ دار طبقہ ایک اور طریقے سے ان "معاشی غلاموں" کی کثرت، ملکی رقبے کی وسعت اور جدید سیاسی حالات سے فائدہ اُٹھا کر ان کے عوض غیر ملکی قرضے، غیر ملکی زرمبادلہ، بین الاقوامی تجارت وغیرہ کی سہولتیں حاصل کرتا ہے۔ اس طریقے سے یہ معاشی غلام بکتے بکتے بین الاقوامی لٹیروں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور بالآخر ان کی معاشی غلامی کے پھندوں میں بین الاقوامی سامراج کے ایک اور پھندے کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

ہمارے خیال میں بیکاری، معاشی غلامی، جہالت اور بیماری، ذلت کے وہ طوق ہیں جو اس وقت ملک کی اکثریت کی گردنوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور قوم کی یہی کمزوریاں اعلیٰ ملکیتی طبقے اور اعلیٰ سرمایہ دار طبقے کیلئے مزید قوت کا باعث بن جاتی ہیں، کیا امتِ مسلمہ کے گلے سے ان طوقوں کو اُتار کر سوادِ اعظم کو آزاد کرانا "فی الرقاب" اور "فک رقبہ" نہیں؟

اب سوال یہ ہے کہ دورِ حاضر کے معاشی غلاموں کی گردنوں کو کیوں کر چھڑایا جائے۔ قرنِ اولیٰ میں اس پر دو طریقوں سے عمل ہوا۔ عہدِ رسالت میں اخلاقی طور پر، اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں اخلاقی اور قانونی دونوں طریقوں سے، اور اس کے بعد کے ادوار میں قانون، اخلاق پر غالب رہا، قرآن حکیم کی آیت ان اللہ اشتریٰ من المومنین اموالھم و انفسھم کے مطابق عہدِ رسالت میں تمام مسلمانوں کے اموال و انفس ان کے اپنے نہ تھے بلکہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جان و مال سرورِ کائناتؐ کے حوالے کر رکھے تھے۔ اور مسلمانوں میں ادا امانت اور ذمہ داری کا احساس اس درجہ بیدار تھا کہ اپنے حصہ کو اللہ کے حصہ سے تمیز کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم (۳۶ - ۳۳) شعارِ مومنین تھا۔ عہدِ خلافتِ راشدہ میں بعض لوگوں نے رسولِ اکرمؐ کی دی ہوئی امانتوں کا تحفظ نہ کیا تو خلفاء راشدین قانون کو حرکت میں لانے پر مجبور ہوئے اور انسانیت کی فلاح و بہبود میں حائل ہونے والوں کو بزورِ قوت قانون سیدھا کر دیا۔ عہدِ صدیقِ اکبرؓ کے تجربے سے جناب فاروقِ اعظمؓ اس نتیجے پر پہنچے کہ عامۃ المسلمین کی مالی محبت کو محدود کرنے کے لئے اخلاقی ضابطوں کے ساتھ قانون کی بندشیں بھی ضروری ہیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں سوادِ عراق کا علاقہ فتح ہوا۔ جو اپنے وسیع رقبے اور زرعی پیداوار کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل تھا عہدِ رسالت میں خیبر وغیرہ کی تقسیم کے پیشِ نظر بعض مسلمانوں نے یہ موقف

اختیار کیا کہ سوادکا وسیع وعریض زرخیز زرعی علاقہ مجاہدین کا قانونی حق ہے اس لئے ان میں تقسیم ہونا چاہیئے۔حضرت بلالؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ اس موقف کے سرگرم حامی تھے۔امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ کا موقف یہ تھا کہ اس مفتوحہ زمین کو انفرادی یا نجی ملکیت میں دے دینے سے ان مفادات کا خاتمہ ہو جاتا ہے جن کے قیام کے لئے اسلام ایک عالمی تحریک کی صورت میں دنیا سے معاشی بے انصافی اور اقتصادی بے راہ روی کو دور کرنا چاہتا ہے۔اس کے خلاف عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا:-

سوادِ عراق کی زمین اور دہقان تو اللہ تعالیٰ نے اس لئے مجاھدین کو عطا کئے ہیں کہ انھیں ان میں تقسیم کر دیا جائے۔ (کتاب الخراج: ص ۱۶۰)

اور یہ کہ:

"اللہ نے جو علاقے ہماری تلواروں کے بل پر عطا کئے ہیں کیا آپ انھیں ایسے لوگوں کے لئے روک رکھیں گے جو موجود نہیں، نہ جنگ میں شریک ہوئے آپ ان کو آئندہ نسلوں اور ان نسلوں کی آئندہ نسلوں کے لئے روک رکھنا چاہتے ہیں جو موجود بھی نہیں۔" (ایضاً ص ۱۶۱)

اس سے ثابت ہوا کہ اس موقف کے حامی صحابہ کے نزدیک ان مفتوحہ زمینوں کی صورت کچھ اس طرح تھی:-

۱۔ ان کی ملکیت فاتحین کا قانونی حق تھا۔

۲۔ یہ ایسا قانونی حق تھا جس میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا شریک نہ تھا۔

۳۔ انھیں اپنی ان زمینوں پر تمام مالکانہ حقوق حاصل تھے،اور وہ زمینیں عامۃ المسلمین کو چھوڑ کر صرف ان کی اولاد میں وراثتہً منتقل ہوتے رہنا تھا۔

۴۔ یہ زمینیں ان کی نجی ملکیت تھیں۔جن میں حکومت کو سوائے عشر وغیرہ کی وصولی کے کچھ مداخلت نہیں کرنی تھی۔

امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ان الفاظ میں ان کی تائید کی:-

"اس کی نوعیت تو وہی ہے جو تم بتاتے ہو" لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

"لیکن میں اس کی تقسیم کے حق میں نہیں۔" (ایضاً ص ۱۶۰)

اُن کے دلائل کا خلاصہ یہ تھا کہ زرعی و زرخیز زمینیں اور اس کے کاشتکاروں کو جو اس وقت کا سب سے بڑا ذریعہ پیداوار ہیں لوگوں کی نجی ملکیت بنا دینے کی صورت میں:

۱ - بنجر اور غیر زرخیز زمین کو آباد کرنے کے لئے وسائل کہاں سے آئیں گے ؟

۲ - ملکی دفاع اور سرحدوں کی حفاظت کہاں سے کی جائے گی ؟

۳ - مجاہدین کے جاگیردار بن جانے کی صورت میں جہاد کون کرے گا - اور کون دشمنوں کو ملک و ملت کی سرحدوں سے دُور رکھے گا ؟

۴ - کم سن بچے، بیواؤں (فقراء و مساکین، غرباء و معذورین) کی ضروریاتِ زندگی کی کفالت کہاں سے ہوگی - (ایضاً - ص ۱۶۵)

امیرالمومنین کے ان دلائل کے باوجود لوگوں نے زمین کو نجی ملکیت بنانے پر اصرار کیا - چنانچہ کئی دن کی بحث و تمحیص کے باوجود کوئی نتیجہ برآمد نہ ہُوا - آخر کار انصار جو اس بحث میں تقریباً غیر جانبدار تھے، ان کے دو بڑے قبیلوں اوس و خزرج کے اشراف پر مشتمل دس افراد کی ایک نمائندہ کمیٹی منتخب کی گئی، جسے فل بنچ کے اختیار دیئے گئے اور انہیں کے فیصلے کو حتمی فیصلہ قرار دیا گیا -

حضرت عمرؓ نے اپنے دلائل کو فل بنچ کے سامنے یوں پیش کیا:

" آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں سن لیں جن کا خیال ہے کہ میں ان کی حق تلفی کر رہا ہوں .... ان لوگوں کو غنیمت میں جو مال ملا تھا - اس کو میں نے اس کے مستحقین میں تقسیم کر دیا ہے ..... میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ زمینوں کو مع کاشتکاروں کے سرکاری ملکیت قرار دے دوں، اور اس کے کاشتکاروں پر خراج عائد کر دوں اور ان پر فی کس جزیہ مقرر کر دوں - جسے وہ ادا کرتے رہیں - اس طرح یہ جزیہ اور خراج مسلمانوں کے لئے ایک مستقل فے (اجتماعی آمدنی) بن جائے گی - فوج، کم سن افراد، اور آنے والی نسلیں اس میں حصہ دار ہونگی، دیکھئے ان سرحدوں کی حفاظت کے لئے بہرحال کچھ آدمی تعینات کرنے ہوں گے جو مستقل فوج کی حیثیت سے وہاں رہیں گے بڑے بڑے علاقے جیسے شام، الجزیرہ، کوفہ، بصرہ، مصر میں فوجی چھاؤنیاں قائم کرنی ہونگی - اور ان فوجیوں کو تنخواہیں دینا ہوں گی، اور اب اگر یہ زمینیں اور ان پر محنت کرنے والے کاشت کار ان میں تقسیم کر دی جائیں تو ان کے اخراجات کہاں سے پورے لئے جائیں گے " (ایضاً ص ۳-۱۶۲)

امیرالمومنین حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے " فل بنچ " کے سامنے اپنے موقف کی تائید میں دلائل کو جاری رکھتے ہوئے، آخری اور قطعی دلیل و ثبوت کے طور پر فرمایا: یہ لوگ قرآن حکیم کی آیات کو اپنے موقف کی تائید

میں پیش کرتے ہیں۔ جن سے انہیں فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن جو آیات میرے موقف کی تائید کرتی ہیں۔ انہیں بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ پھر آپ نے سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۶ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بنو نضیر کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی چنانچہ ان کا قصہ تمام ہو چکا۔ اب یہ بات تمام بستیوں کے لئے عام ہے (ص ۱۶۵) پھر آپ نے مذکورہ سورہ کی ساتویں اور آٹھویں آیات پڑھیں، جن میں (مفتوحہ زمین وغیرہ) کی تقسیم کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کے ساتھ اور لوگوں کو بھی شامل کر لیا، جن کا ذکر آیت نمبر ۹ میں ہے۔ چنانچہ یہ آیت جیسا کہ ہمیں معلوم ہے خاص طور پر انصار کی شان میں نازل ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس پر ہی بات ختم نہیں کی بلکہ ایک اور گروہ کو بھی ان کے ساتھ شامل کیا اور فرمایا:

والذین جاء و امن بعدھم۔ اور یہ فئے (زمین) ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو ان کے بعد آئیں گے۔ اس آخری آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ آیت ان لوگوں (مہاجرین وانصار) کے بعد آنے والے تمام لوگوں کے لئے عام ہے۔ اس کی رو سے اب یہ زمینیں (فئے) ان تمام مذکورہ لوگوں کا مشترکہ حق قرار دی جا چکی ہیں۔ اب یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم ان زمینوں کو موجودہ لوگوں کے درمیان ہی تقسیم کر دیں اور ان کے بعد آنے والوں کو ان کے حصہ سے محروم کر دیں۔ (ص ۱۶۷)

امام ابو یوسف بیان کرتے ہیں کہ انصار مدینہ کے اکابر و اشراف پر مشتمل دس ججوں کے (فل بنچ) نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد اپنا فیصلہ سنایا اور یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ فیصلہ زمینوں کو جاگیروں کی صورت میں دینے یا نہ دینے کے سلسلے میں اسلامی نقطۂ نظر کا علمبردار اور سب سے آخری اور قطعی فیصلہ ہے چونکہ مقدمے کا آغاز امیر المومنین کے موقف کے مخالفین کے دلائل کی سماعت سے ہوا تھا اور اختتام حضرت عمرؓ کے دلائل پر، اس لئے ججوں نے حضرت عمرؓ کے دلائل کے اختتام پر اپنا فیصلہ ان الفاظ میں سنایا:

"اے امیر المومنین! آپ کی رائے (صحیح) ہے، آپ نے جو فرمایا۔ وہی درست ہے اور وہی حقیقت ہے اور جو رائے آپ نے قائم کی ہے وہی سب سے موزوں اور حقیقتِ حال کے عین مطابق ہے۔ اگر ان شہروں اور سرحدوں میں افواج نہیں رکھی جائیں گی اور ان کے لئے بطور تنخواہ کچھ مقرر نہیں کیا جائیگا تو اہلِ کفر اپنے شہروں پر پھر سے قابض ہو جائیں گے۔" (ص ۱۶۳)

امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ ججوں کے اس فیصلے کو اپنے حق میں پاکر بے حد خوش ہوئے اور فرمایا اب مجھ پر اس معاملہ کا ہر پہلو واضح ہوگیا ہے۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں رہی جو اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے راستے میں حائل ہو۔ اب یہ بتاؤ کہ کون ایسا ماہر اور دانش مند ہے۔ جو ان زمینوں کا مناسب طور پہ بندوبست کرے اور کاشت کاروں پر ان کی برداشت کے مطابق خراج تجویز کردے؟ چنانچہ بالاتفاق حضرت عثمان بن حنیف جو صاحبِ بصیرت تھے۔ اس کام پر مامور کر دیئے گئے۔ اور تمام صحابہ کے اجماع سے یہ معاملہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے طے پاگیا۔ چنانچہ اس کے بعد شام وغیرہ فتح ہوئے تو اسی اصول کے تحت حکومت کی ملکیت قرار پائے۔ اور کسی مسلمان نے ان مفتوحہ ممالک کی زمینوں کو جاگیروں میں تقسیم کرنے کی خواہش نہیں کی۔

قرآن وسنت اور اجماعِ صحابہ کرام کی اس بصیرت سے مندرجہ ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ عہد رسالت کا اخلاقی ضابطہ ایک غیر معمولی قانون تھا جس کے تحت رسالت مآبؐ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام اپنی جان اور مال کو عملاً اللہ و رسول کی امانت خیال کرتے تھے اور بوقت ضرورت ایک سچے امین کی حیثیت سے جب جان کی ضرورت پڑتی تھی تو جان اور جب مال کی ضرورت پڑتی تو مال بے دریغ اور بلا جھجک اپنے مالکِ حقیقی کے سپرد کر دیتے تھے۔ اس لئے عہد رسالت میں صحیح اسلامی تصور کے مطابق ذاتی ملکیت کے بجائے امانت کا تصور غالب تھا۔

۲۔ سرور کائنات صلعم کی عدم موجودگی اور شمعِ نبوت کے پروانوں میں غیر صحابہ کی کثرت ہو جانے کی وجہ سے عہد رسالت کا اخلاقی ضابطہ عامۃ المسلمین کے لئے ایک غیر معمولی قانون بن گیا۔ جس کے اعلیٰ معیار پہ پورا اترنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لئے مخلوط اقوام و ملل پر مشتمل مفتوحہ اقوام کے کروڑہا انسانوں کی آبادی کو محض اخلاقی ضابطے پر کاربند رکھنا آسان نہ تھا۔ چنانچہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کرام کے اجتماعی فیصلے کے مطابق عہدِ رسالت کے اخلاقی ضابطے کو قانونی شکل دی تاکہ عامۃ الناس کو آسانی سے اللہ و رسول کے احکام کے مطابق چلایا جاسکے۔

۳۔ قرآن وسنت اور اجماعِ صحابہ کرام پر مبنی اسلامی قانون کی رُو سے اسلامی حکومت ملک کی دولت اور ذرائع دولت کو چند ہاتھوں میں محدود ہونے سے روکے گی۔

۴۔ اگر عہدِ رسالت کا سا اخلاقی ضابطہ رائج ہو سکے تو ملک میں بعض ذمہ دار افراد کو بطور امین نجی ملکیت

رکھنے کی اجازت ہوگی۔

اللہ رب العالمین کی ہدایات اور رسول مقبولؐ کی تعلیمات پر مبنی صحابہ کرام کے اجتماعی نظامِ معیشت کو مختلف زمانوں میں فقہاء اور مفسرین بیان کرتے چلے آئے ہیں پانچویں صدی ہجری میں امام ابن حزمؒ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف المحلی (کتاب الزکاۃ) میں فرماتے ہیں کہ اگر اسلام کا اجتماعی نظامِ معیشت انتشار کا شکار ہو جائے اور بعض افراد مسلمانوں کے اجتماعی ذرائع پیداوار پر قابض ہو کر اہلِ ثروت بن بیٹھیں اور عامۃ المسلمین فقر و احتیاج اور غربت و افلاس میں مبتلا ہو جائیں اور اہلِ ثروت اپنی بے پناہ دولت سے چند ٹکے بطور زکوٰۃ ادا کر کے عامۃ الناس کے حقوق سے بے نیاز ہو جائیں تو حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اہلِ ثروت پر جبر کر کے ذرائع پیداوار پر قبضہ کرے اور ملکی ذرائع پیداوار کا ایسا انتظام کرے جس سے عامۃ الناس کے حقوق پورے پورے ادا ہوں۔

امام ابن حزمؒ اسی کتاب کے صفحہ ۱۵۹ پر لکھتے ہیں "فقہاء عام طور پر ایک پیاسے کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ جان بچانے کے لئے کسی کا پانی پی لے اور اگر اسے یہ پانی لڑ کر بھی حاصل کرنا پڑے تو اسے ایسا کرنے کی اجازت ہے"۔ امام ابن حزمؒ فقہاء کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر ایک پیاسے کو لڑ کر پانی حاصل کرنے کی اجازت ہے تو ایک بھوکے کو لڑ کر روٹی حاصل کرنے کی کیوں اجازت نہیں اور ایک ننگے کو لڑ کر لباس حاصل کرنے کی کیوں اجازت نہیں۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ اگر ملک میں کوئی فرد یا گروہ بھوکا یا ننگا ہو اور ملک میں ایسا نظامِ معیشت رائج ہو جو انہیں بھوکا اور ننگا رکھے تو اس بات پر قرآن و سنت، اجماع اور قیاس سب کا یہی قانون ہے کہ بھوکے ننگے زبردستی اپنی بھوک و عریانی کا انتظام کریں اور اہلِ ثروت جنہوں نے ملک کی اجتماعی معیشت کو انفرادی ملکیت میں لے رکھا ہو، ان کے خلاف بغاوت کر کے انفرادی ملکیت کو دوبارہ اجتماعی ملکیت میں لیں تاکہ ملک سے فقر و فاقہ دور ہو اور عدل و انصاف پر مبنی معاشی نظام قائم ہو جائے۔ اس ضمن میں امام ابن حزمؒ لکھتے ہیں:-

اگر کوئی شخص فقر و فاقہ کا شکار ہو جائے اور اس کے پڑوس میں کوئی صاحبِ ثروت شخص موجود ہو تو ایسی صورت میں فقر و فاقہ میں مبتلا ہونے والا شخص مضطر (مجبور) نہیں ہوگا کہ مردار یا سور کا گوشت اس کے لئے حلال ہو جائے بلکہ ایسی صورت میں مالدار مسلم یا ذمی کا فرض ہے کہ وہ اس محتاج کے ذریعۂ معاش

کا انتظام کرے اور اگر اہلِ ثروت اس کا انتظام نہیں کرتا تو مضطر پر واجب ہے کہ مردار یا سور کا گوشت کھانے کے بجائے اہلِ ثروت سے اپنی معاش حاصل کرے اور اس سلسلے میں یہ مفلس و محتاج شخص جو راستہ بھی اختیار کرے گا وہ جائز ہوگا بلکہ اسلام یہاں تک اجازت دیتا ہے کہ بیکار و مفلس و محتاج و فقیر اہلِ ثروت کے خلاف باقاعدہ محاذ قائم کریں اور ان کے خلاف بغاوت کریں اور ان سے باقاعدہ جنگ کر کے اپنے حقوق حاصل کریں اور اگر بیکار و مفلس مجاہدین اہلِ ثروت کے خلاف جنگ میں مارے جائیں تو شہید القود (ایسے شہید جن کا خون بہا لیا جائیگا) کہلائیں گے اور اگر اہلِ ثروت و سرمایہ دار تباہ ہو جائیں تو ان پر اللہ کی لعنت۔ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے ایک ایسا نظامِ معیشت قائم کر رکھا تھا جس کے ذریعے محتاج و مفلس لوگ پیدا ہوتے ہیں اور اس کے ذریعے سرمایہ دار غریبوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دار عامۃ المسلمین اور اسلام کا باغی طبقہ (وھو طائفة باغية) ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر مسلمانوں میں سے ایک طبقہ باغی ہو جائے تو اس باغی طبقے کے خلاف اعلانِ جنگ کرو اور ان سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے نظام کی طرف پلٹ نہ آئے، اور سرمایہ دار جو ملک میں فقر و محتاجی باقی رکھتے ہیں اللہ کے باغی ہیں کیونکہ انہوں نے ایک ایسا نظامِ معیشت قائم کر رکھا ہے جس کے ذریعے انہوں نے بیشمار مسلمان بھائیوں کے ذرائع و وسائل پیداوار پر قابض ہو کر انھیں محروم و محتاج بنا رکھا ہے (المحلی ج ۶ ص ۱۵۹)

امام الزمخشری اپنی مشہور عالم تفسیر الکشاف میں سورہ النحل کی آیت نمبر ۷۱ "واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقھم علی ما ملکت ایمانھم فھم فیہ سواء" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ تمہارے غلام دراصل تم ہی جیسے انسان ہیں اور وہ تمہارے بھائی ہیں اس لئے اہلِ ثروت پر اللہ کی طرف سے یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ جو مال و دولت ان کے پاس ان کی ضروریاتِ زندگی سے زائد ہو وہ اسے ان معاشی غلاموں کی طرف لوٹا دیں، یہاں تک کہ وہ معاشی طور پر بالکل تمہارے برابر ہو جائیں وہ بھی وہی پہنیں جو تم پہنتے ہو، اور وہی کھائیں جو تم کھاتے ہو۔ امام الزمخشری نے اس آیت سے یہ مطلب نکالا کہ اگر کسی وقت قرآنی تعلیمات پر مبنی نظامِ معیشت ٹوٹ جائے اور اہلِ ثروت پیدا ہو جائیں تو ایسی صورت میں سرمایہ دار طبقہ کو دوبارہ قرآنِ حکیم کی اتباع کرنا چاہیئے۔ اپنے اس موقف کی تائید میں امام الزمخشری بخاری، مسلم اور اصحاب السنن کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت صلعم سے ایک دفعہ یہ سنا کہ تمہارے غلام دراصل تمہارے بھائی ہیں۔ اس لئے انھیں وہ پہناؤ جو تم پہنتے ہو اور وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو، کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد ابوذرؓ کے غلام کو جب کبھی دیکھا گیا تو اس کی چادر اسی طرح کی ہوتی تھی جس طرح کی ابوذرؓ کی، اور اس کی لنگی اسی طرح کی ہوتی تھی جس طرح ابوذرؓ کی۔ گویا امام زمخشری کی تفسیر کے مطابق آقا و غلام کا باہمی رشتہ بھائی چارے کا ہے اور آقا و غلام کا تعلق اسلامی تعلق نہیں۔

امام فخرالدین الرازی اپنی تفسیرالکبیر میں سورۃ التوبہ کی زکوٰۃ والی آیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

قرآنی نظامِ معیشت کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ اللہ و رسولؐ پر ایمان رکھنے والا شخص صرف اسی حد تک دولت و ذرائع دولت سے استفادہ کرتا ہے جس سے وہ اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کر سکے اور جس نقطے پر اس کی احتیاج پوری ہو جائے اس سے آگے جو کچھ اس کے پاس ہو اس سے بے نیاز ہو جائے، انہوں نے اس اصول کو ایک انتہائی حکیمانہ انداز میں یوں بیان کیا ہے : الاستغناء عن الشی، الاستغناء بالشی سے اعظم وافضل ہے کیونکہ الاستغناء بالشی سے مراد یہ ہے کہ انسان کو کسی چیز کی احتیاج ہو اور وہ اس احتیاج کی وجہ سے کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ نہ ہو جس کی اسے احتیاج نہیں اور جہاں تک الاستغناء عن الشی کا تعلق ہے وہ "الغنی التام" مکمل بے نیازی ہے اس لئے الاستغناء عن الشی تو حق تعالیٰ کی صفت ہے اور الاستغناء بالشی انسان کی۔ اس پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے امام رازی لکھتے ہیں کہ قرآن کا نظامِ معیشت انسان کو حق تعالیٰ کی صفات کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لئے اس نظام کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان ایسا نظامِ معیشت قائم کریں جس کے تحت تمام مسلمان صرف اسی حد تک انفرادی معیشت سے فائدہ اُٹھائیں جس حد تک ان کی احتیاجات پوری ہو جائیں اور ظاہر ہے یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب قرآنی تعلیمات پر مبنی اجتماعی نظامِ معیشت قائم ہو۔

ہر وہ نظامِ معیشت جو عامۃ المسلمین کے معاشی مسائل حل نہیں کر سکتا وہ غیر اسلامی ہے، ہمارے موجودہ نظامِ معیشت کو اسلامی نظامِ معیشت میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ نظامِ معیشت کو اسلامی نظامِ معیشت میں کیسے تبدیل کیا جا سکتا ہے تاکہ ارشادِ قرآن حکیم کے مطابق غلامی سے آزادی دلانے پر عمل ہو سکے اس سلسلے میں ہم مندرجہ ذیل

چند تجاویز پیش کرتے ہیں :-

۱ - توحید باری تعالیٰ اور انسانی مساوات پر مبنی ایک زبردست ملک گیر تحریک چلائی جائے ، جو قرآن حکیم کے ان دو بنیادی اور عالمگیر اصولوں کو ملک کے گوشے گوشے میں پھیلائے اور ہر مسلمان توحید کی زبردست قوت سے سرشار ہو کر انسانی مساوات کی راہ میں حائل ہر قوت کا مقابلہ کر سکے اور معاشی عدل و انصاف کے راستے سے ہر رکاوٹ دور کر دے۔

۲ - توحید باری تعالیٰ اور انسانی مساوات کے اصولوں کی نشر و اشاعت سے عزو شرف کا معیار صالحیت و تقویٰ قرار پائے اور عزو شرف کا موجودہ نظام جو حسب و نسب، جاہ و حشمت اور مال و دولت پر قائم ہے اور جو قدیم برہمنیت کے ذات پات کے اصولوں کی یادگار ہے ختم کر دیا جائے۔

۳ - مندرجہ بالا اصولوں کی ہمہ گیر اشاعت کے ساتھ اسلامی قانونِ معیشت کو حرکت میں لایا جائے۔ اور جو لوگ رضا کارانہ اسلامی نظامِ معیشت کی طرف مائل نہ ہوں انھیں قانون کے ذریعے مجبور کیا جائے کہ وہ مفادِ عامہ کی خاطر ملکی دولت اور ذرائع دولت سے دست بردار ہو جائیں۔

۴ - امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے قرآن و سنّت کی روشنی میں جو فیصلہ کیا تھا اس پر عمل کرتے ہوئے ملکی دولت اور ذرائع دولت مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار دی جائے اور حکومت بطور امین اس کا انتظام کرے جس سے عامۃ المسلمین کی بنیادی ضروریاتِ زندگی پوری ہوں، اور ملک و قوم مسلسل ترقی کرتے رہے۔ اسلام کا نظامِ زکوٰۃ صرف اسی صورت میں مفید و کارآمد نتائج پیدا کر سکتا ہے جب مندرجہ بالا اسلامی قانونِ معیشت کے تحت اسلام کا اجتماعی نظامِ معیشت قائم ہو۔

معاشی غلامی کے حل میں پاکستان کے باقی مسائل کا حل موجود ہے پاکستان کا استحکام و بقا اور سب سے بڑھ کر نظریہ پاکستان اور اسلام کے اپنے مستقبل کا فیصلہ پاکستان میں معاشی غلامی کے مسئلے کے حل پر منحصر ہے۔